Tarjihaat
Volume:III
Issue: V
مئی ۲۰۲۳
ترجیحات
ISSN: 2583-0082

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین
ہندستانی زبانوں کا مرکز
جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی

فارسی بہ حیثیت ہندستان کی کلاسیکی زبان اور ہندستانی تہذیب کو اس کی دین

شعبۂ فارسی ممبئی یونیورسٹی بالخصوص پروفیسر سکینہ اختر کا بہت شکر گزار ہوں کہ اس پر وقار اور اہم سیمنار میں شرکت کا موقع دیا۔ فارسی زبان کے دانشوروں، اساتذہ اور طلبہ وطالبات کے درمیان اپنی موجودگی کو ایک اعزاز سمجھتا ہوں۔ اس کرم فرمائی کے لیے بھی ہدیہ تشکر پیش کرتا ہوں۔

یہ ایک وسیع موضوع ہے کیونکہ سات سو سال تک فارسی ہندوستان کی سرکاری، درباری اور کسی حد تک عوامی زبان رہی۔ 1836 میں انگریزوں نے فارسی کی بجائے انگریزی زبان کو فروغ دیا۔ اس وقت تک عوامی رابطے کے طور پر اردو کو خاص مقام حاصل ہو چکا تھا۔ لیکن یہ ذہن نشیں رہے کہ اردو بھی فارسی زبان کی مرہون منت ہے۔ فارسی زبان و تہذیب نے ہندستانی تہذیب پر بہت گہرے نقوش مرتب کیے ہیں۔ بود و باش، خورد ونوش سے لے کر طرز تعمیر تک زندگی کے ہر شعبے میں ان نقوش کو دیکھا جاسکتا ہے لیکن اس پر تفصیلی بات کرنے سے قبل فارسی اور اردو کا ایک ایک شعر پڑھنا چاہوں گا تا کہ اِن ثقافتی لین دین اور اثر و تاثیر کو سمجھا جاسکے۔ سلیم تہرانی کا یہ شعر:

نیست در ایراں زمیں، سامانِ تحصیل کمال
تا نیامد سوی ھندستاں، حنا رنگین نشد

حنا میں رنگینی اسی وقت آئی جب یہ ہندستان کی جانب آیا۔ یعنی ایرانی ثقافت کی نیرنگی ہندستان میں زبان فارسی کی آمد کے بعد دیکھی جاسکتی ہے۔ کیونکہ کوئی بھی زبان محض وسیلۂ اظہار ہی نہیں ہے بلکہ وہ مکمل تہذیب کی نمائندہ ہوتی ہے۔ اس لیے فارسی جب ہندستان میں آئی تو اپنی تہذیب و ثقافت کے جلوۂ صد رنگ کے ساتھ آئی۔ اس زبان کی شیرینی "ہند۔ ایرانی تہذیب"میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اس زبان کے دوررس اثرات کی نشاندہی کرتے ہوئے حافظ شیرازی نے کہا تھا؟

ساقی حدیثِ سرو و گل و لالہ می رود

وین بحث باثلاثۂ غسّالہ می رود
شکّر شکن شوند ھمہ طوطیانِ ھند
زین قندِ پارسی کہ بہ بنگالہ می رود

حافظ شیرازی کی اس غزل کا سیاق وسباق اگرچہ کچھ اور ہے مگر یہ تو مسلم ہے کہ زبانِ فارسی کو ہندستان کی تمام اقوام نے اپنایا۔اسی لیے رابطے سے لے کر تخلیق کی منزل تک اس زبان کی شیرینی و شگفتگی کو ہندستانی معاشرے کے تمام شعبہ ہائے زندگی میں دیکھا جا سکتا ہے۔لیکن یہ کیسے ممکن ہوا؟اور کیونکر ہوا؟ کہ ایرانی تہذیب کے نمایاں اثرات اب تک موجود ہیں۔اس کو سمجھنے کے لیے فراق گورکھپوری کا یہ شعر سنیں:

سر زمینِ ہند پر اقوام عالم کے فراق قافلے آتے گئے،ہندستاں بنتا گیا

ان قافلوں کی آمد کی داستان بھی عجیب و غریب ہے اور خوب ہے۔ان قافلوں میں سب سے پہلے آریائی قافلے ہیں۔ جب یہ قافلہ ہندستان وارد ہوا تو یہاں کی قدیم آبادی یعنی دراوڑ قوم کو ہندستان کے جنوبی کونے میں محدود کر کے ہندستان کی تسخیر و تعمیر میں حصہ لیا۔یقیناًہندستان کی سرزمین پر آریوں کی آمد ایک نئے ہندستان کی تعمیر کی جانب ایک اہم قدم تھا۔انھوں نے ہندستان کو جغرافیائی اور تہذیبی شناخت دی۔وید،پُران،اپنشد اور گیتا کے ذریعے الوہیت اور عبادت وعقیدت کا پیغام دیا۔

لیکن ساتویں صدی عیسویں اور عہد وسطیٰ میں مسلمانوں کی آمد سے اس ہندستانی رنگ میں ایک نئے رنگ کا اضافہ ہوا۔ ایسا رنگ جس میں سارے رنگ یکجا ہو گئے اور ان سے مشترکہ رنگ و نور کی بنیاد پڑی۔ایک طرف فارسی زبان میں تخلیق و تصنیف کا ایسا سلسلہ شروع ہوا جو آگے چل کر "**سبک ہندی**" کے نام سے موسوم ہوا تو دوسری جانب ایرانی طرزِ تعمیر، مصوری، نقاشی، موسیقی اور تصوف کے رنگ نے ہندستان میں تہذیبی اقدار و روایات کی ایسی بنا ڈالی جس نے ہندستان کو کثرت میں وحدت کا مثالی ملک بنا دیا۔اس مشترکہ تہذیب کے عہد میں جس زبان نے تخلیق و تصنیف کے ذریعے علم و فن اور شعر وادب کے خزینے سے ہندستانی ادب کو ثروت مند بنایا وہ بلاشبہ فارسی تھی۔اور جس زبان نے عوامی ترسیل وابلاغ کا کام کیا وہ کچھ حد تک فارسی اور بڑے پیمانے پر ہندوی یا ہندستانی تھی جو آگے چل کر 'اردو' کہلائی۔

ہند۔ایرانی تہذیب و ثقافت اور زبان وادب کی اس رنگا رنگی کو سمجھنے سے قبل ایک مسلمہ حقیقت کی جانب آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔۔۔اس دنیا کی سب سے حیرت افزا حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی چیز دائمی نہیں، کسی بھی شئی کو استقرار و استحکام حاصل نہیں ہے۔میں سمجھتا ہوں کہ قدرت کے اسی اصول کے سبب دنیا میں رنگا رنگی قائم ہے۔گردشِ روز و شب کے سبب تمام اشیا میں مختلف جہتوں سے تغیر و بدل کا عمل جاری و ساری رہتا ہے اسی لیے کبھی نشیب اور کبھی فراز کی داستانیں سامنے آتی رہتی ہیں۔ زندگی کے تمام شعبوں کی طرح تاریخ و ثقافت میں بھی نمایاں تبدیلیاں آتی رہی ہیں۔ہندستان میں فارسی زبان وادب کی تاریخ کا جب مطالعہ کرتے ہیں کہ تو دیکھتے ہیں کہ اس میں کتنے ایسے موڑ آئے ہیں جس نے فارسی کو مسلسل فراز کی

طرف گامزن کیا اور فارسی زبان کو ہندستان میں ایسی ترقی اور مقبولیت حاصل ہوئی کہ اس جیسی مثال دنیا کی کسی لسانی تاریخ میں دیکھنے کو نہیں ملتی۔

فارسی نے جب ہندستان میں قدم رکھا تو اس کا سامنا ہند آریائی زبانوں سے ہوا۔ فارسی جب ہندستان آئی تو وہ ایک ثروت مند زبان کے طور پر آئی۔ میری مراد یہ ہے کہ فارسی میں اعلیٰ ادبی شہ پارے موجود تھے اور فارسی علوم و فنون کی زبان کے طور پر دنیا کے بڑے خطے میں مقبول و معروف تھی۔ اسی لیے اس زبان کے اثرات یہاں کی زبانوں پر مرتب ہوتے ہیں ۔چونکہ یہ حکمراں کی زبان تھی اس لیے بھی اس کے اثرات وسیع پیمانے پر مرتب ہوئے۔۔۔۔اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہندستان کی علمی، ادبی اور مذہبی زبان سنسکرت کے تخلیقی سوتے خشک ہونے لگے تھے۔ دسویں گیارھویں صدی عیسوی یعنی مسلمانوں کی باقاعدہ آمد سے بہت پہلے سے سنسکرت کے تخلیقی سوتے خشک ہو چکے تھے۔ عوامی سطح پر ہر علاقے کی اَپ بھرنش کو قبولیت عامہ کا درجہ حاصل ہو رہا تھا۔ سنسکرت ایک مخصوص طبقۂ اولیٰ کی زبان ہو کر رہ گئی تھی۔ ایسے میں فارسی حکمرانوں کی سرپرستی میں تیزی سے پروان چڑھنے لگی اور خواص و عام میں مقبول ہونے لگی۔

تاریخ لسان کا دوسرا عجوبہ یہ بھی دیکھیں کہ دنیا کی تاریخ میں بہت سی ایسی مثالیں موجود ہیں کہ تمدنی اور تہذیبی حوالوں سے قوموں کا اختلاط و اشتراک ہوا ہے مگر کہیں اس کے سبب کوئی نئی زبان وجود میں نہیں آئی۔ ہندستان میں اشتراک کی یہ واحد ایسی مثال ہے جہاں مختلف قوموں اور نسلوں کے اختلاط سے اردو جیسی عظیم زبان وجود میں آئی۔۔۔۔اس طرح اگر دیکھیں تو فارسی زبان نے اردو کو بال و پر عطا کیے۔ اسی لیے کئی دانشوروں کا یہ بھی خیال ہے کہ ہندستان میں اردو جیسی زبان، تاج محل اور لال قلعہ جیسی پُر شکوہ عمارتیں فارسی کی دین ہیں۔

فارسی چونکہ ہندستان میں کم و بیش سات سو سال تک حکومت کی زبان رہی اس لیے فارسی زبان اور تہذیب کے اثرات بہت گہرائی تک ہندستان کی سرزمین میں پیوست ہیں، یہ اَمِٹ ہیں، ان نقوش کو زوال نہیں ہے، کیونکہ یہ اثرات اب ہندستانی تہذیب کا خاصہ بن چکے ہیں۔ رہی یہ بات کہ ہندستان میں فارسی زبان کی ابتدا کب ہوئی؟ اور فارسی تہذیب نے کس عہد سے ہندستانی تہذیب پر اپنے اثرات مرتب کرنا شروع کیا؟ تو اس سلسلے میں محمد ریاض ''فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ'' میں لکھتے ہیں کہ:

> "ایران اور برصغیر پاک و ہند کے تعلقات کی تاریخ تو اتنی ہی قدیم ہے جتنے قدیم خود یہ ممالک ہیں۔ آثار قدیمہ کے ماہرین کی تحقیقات کے مطابق تو یہ روابط آریائی تمدن سے پہلے بھی قائم تھے۔ اور ہندوستان آنے والے آریہ تو ایران میں کافی عرصہ گزار کر یہاں آئے۔"
>
> (فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ ۔ محمد ریاض۔ ڈاکٹر صدیق شبلی۔ صفحہ 149 کتابی دنیا نئی دہلی۔ ۲۰۰۲)

اور آگے کہتے ہیں کہ:

" مسلمان سب سے پہلے مکران و سندھ آئے۔ اور فارسی زبان بھی پہلے انہی علاقوں میں آئی۔ محمد بن قاسم کی فوج میں ایرانی بھی شامل ہوں گئے۔ کیونکہ حملہ آور ہونے سے پہلے اس نے تیاری کے لئے اپنا کیمپ کئی ماہ تک شیراز میں رکھا تھا۔ چوتھی صدی ہجری کے عرب جغرافیہ نویسوں ابن حوقل مقدسی اور اصطخری نے مکران سے ملتان تک فارسی زبان کے رواج کا ذکر کیا ہے۔ شاید عربی تمدن کے غلبہ کی وجہ سے سندھ میں فارسی زبان فروغ نہ پاسکی۔ اس شیریں زبان کو
ہندوستان میں پھیلانے کی سعادت غزنویوں کے حصے آئی۔"

((فارسی ادب کی مختصر ترین تاریخ ۔ محمد ریاض۔ ڈاکٹر صدیق شبلی۔ صفحہ 151 کتابی دنیا نئی دہلی۔ ۲۰۰۲)

ان اقتباسات سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ ہندستان سے فارسی زبان و تہذیب کے روابط بہت قدیم ہیں۔ اس زبان کی ترقی کا ایک طویل، مستحکم اور مسلسل سلسلہ ہے۔ گیارہویں صدی کے بعد سے افغان خاندان، جن میں غزنوی، دہلی سلطنت اور مغل خاندان قابل ذکر تھے۔ اِن سلطنتوں کے دربار اور انتظامیہ میں فارسی کو سرکاری حیثیت حاصل تھی۔ اس نے بڑی حد تک برصغیر میں سیاست، ادب، تعلیم اور سماجی حیثیت کی زبان کے طور پر سنسکرت کی جگہ لے لی۔ اس طرح فارسی نے وسیع پیمانے پر ایک وسیع اور غیر فرقہ وارانہ زبان کا کردار ادا کیا جس نے خطے کے متنوع لوگوں کو باہم مربوط کیا۔۔۔۔۔۔۔ مغلیہ سلطنت کے عروج کا زمانہ فارسی کے عروج کا زمانہ ہے اور اس کے بتدریج زوال کے ساتھ فارسی کا بھی زوال شروع ہوا۔
جملہ معترضہ کے طور پر یہ بات کہتا چلوں کہ ایک طرف مغلیہ سلطنت کا چراغ ٹمٹما رہا تھا تو دوسری جانب اردو کی شمع رنگ و نور بکھیر رہی تھی۔۔۔۔ لیکن اس کا سہرا بھی فارسی کے ہی سر جاتا ہے۔

فارسی نے ہندوستانی یعنی اردو۔ ہندی کے نشو و نما میں نمایاں کردار ادا کیا، لیکن دیگر زبانوں جیسے پنجابی، سندھی، گجراتی، کشمیری، بنگالی، مراٹھی، راجستھانی، اور اوڈیا وغیرہ زبانوں میں بھی فارسی کے الفاظ کافی مقدار میں موجود ہیں۔ (موجودہ دور میں یہ تعداد بتدریج کم ہوتی جارہی ہے)۔۔۔۔ فارسی نے 1837 میں ایسٹ انڈیا کمپنی میں اپنی سرکاری حیثیت کھو دی، اور اس کے بعد کے برطانوی راج میں فارسی سرکاری سرپرستی سے باہر ہو گئی۔ لیکن تقریباً سات سو سال تک فارسی ہندستان کی سرکاری زبان رہی۔

فارسی زبان ہندستان میں کیسے ترقی کرتی ہے؟ اس پر زیادہ تفصیل سے بات کرنے کے بجائے فارسی زبان نے ہندستانی ثقافت پر کیسے اثرات مرتب کیے ہیں ان پہلوؤں پر بات کی جائے گی۔

طرز تعمیر

فارسی کے عہدِ عروج میں یا مسلم حکمرانوں کے عہد میں ہندستان میں طرزِ تعمیر کا ایک نیا رنگ ڈھنگ سامنے آیا۔ اس

Tarjihaat
Volume:III مئی ۲۰۲۳
Issue: V
ترجیحات
ISSN: 2583-0082
WORLD URDU RESEARCH & PUBLICATION CENTRE
WURNP

فنِ تعمیر میں فارسی طرزِ ثقافت اختیار کیا گیا، جس کے نتیجے میں گنبد، ایوان، مینار، محراب سامنے آئے۔ غوث سیوانی نے اپنے مضمون "مغل طرزِ تعمیر کے امتیازات و خصوصیات" میں لکھا ہے کہ :

"امریکی قصرِ صدارت وائٹ ہاؤس ہو یا انگلینڈ کی رانی کا محل، عرب کے بادشاہوں کے شاہی محلات ہوں یا یورپ کے حکمرانوں کی تعمیرات، آپ کو ایک بھی ایسی عمارت نہیں ملے گی جو مغل طرزِ تعمیر کی جھلک سے بالکل خالی ہو۔ اصل میں "ہند۔اسلامی" طرز تعمیر کی مغل دور میں خوب ترقی ہوئی ۔ مغلوں نے اس میں نئے نئے تجربے کئے اور ان کے حسن و نزاکت کے سبب دنیا بھر میں انھیں شہرت حاصل ہوئی۔ مغل طرز تعمیر میں فارس، ترکی، وسطی ایشیا، گجرات، بنگال، جونپور اور جنوبی ہند کی طرز تعمیر کو مرکب شکل میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اسی کا نام مغل طرز تعمیر ہے۔ ماہر تعمیرات پیرسی براؤن نے ہندوستانی فن تعمیر کا موسم بہار مغل دور کو قرار دیا ہے، جب کہ ساری دنیا کی طرز تعمیر پر تبصرہ کرنے والے اسمتھ نے مغل فن تعمیر کو آرٹ کی رانی کا نام دیا ہے۔ مغلوں نے بڑے بڑے محلات، باغات، قلعے، دروازے، مساجد و مقبرے وغیرہ تعمیر کرائے۔ انھوں نے ایسے باغ بنوائے جن میں جھرنے اور چشمے تھے۔ انھوں نے محلوں اور دیگر عیش و آرام والی عمارتوں میں بہتے پانی کی نہریں جاری کیں جن کے نشانات آج بھی موجود ہیں۔" (قندیل آن لائن https://rb.gy/pe11a2)

اس طرز تعمیر کی ایک اور خاص بات یہ ہے کہ ایرانی یا مغل تعمیر نے ہندستانی اثرات بھی قبول کیے آپ ہندستان کی مسجدوں کی تعمیر کو دیکھیں تو وہ چبوترے پر بنی ہوئی ہیں اور چبوترہ سازی ہندستانی روایت کا حصہ ہے۔ دہلی، لاہور کی شاہی جامع مسجد اس کی مثالیں ہیں۔ اس طرح ہندستانی طرز تعمیر میں ایک مشترکہ امتزاج نظر آتا ہے: (مسجد لطف اللہ اصفہان یا شیراز و یزد کی مساجد زمین کی سطح سے ہیں)

ڈاکٹر تاراچند اپنی کتاب "اسلام پر ہندستانی تہذیب کے اثرات" میں لکھتے ہیں :

"اس زمانے کے ہندوستانی فنِ تعمیر میں بھی اسی امتزاج کا رجحان ظاہر ہوتا ہے۔ ہندو محلات، منادر اور یادگاریں اب پچھلے زمانہ کے خاص طرز پر نہیں تعمیر ہوئیں۔ ان میں نہ صرف فنِ تعمیر کے مسلم عناصر کام میں لائے گئے، بلکہ ایک نئی روح ان میں پائی جاتی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدیم جمالیاتی اقتدار کسی حد تک بدل گئے تھے۔ مزید برآں یہ اثر ملک کے کسی خاص خطے ہی تک محدود نہیں ہے۔ بہت زیادہ ممتاز تو یہ راجپوتانہ اور وسطی ہند کی ہندو ریاستوں اور متھرا اور برندابن اور بنارس کے مقدس مقامات میں نظر آتا ہے اور دور دراز ملک کھٹمنڈو اور جنوب ہند میں مدورائی تک اس کا اثر ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کی مسجدیں مقبرے اور محلات ہندوستانی ہیں مسلمانوں نے نام نہاد عرب اور ایرانی فن تعمیر سے کچھ معین خصوصیات مستعار لیں لیکن ہندوستان میں ایک نیا طرز یا یوں کہیے کہ کئی نئے طرز نکالے جن میں ہندو طرز کی روایات

کا تسلسل ہے۔دراصل اس دور کے فن تعمیر کے اسکول خواہ ہندو ہوں یا مسلم ایک ہی درخت کی دو شاخیں ہیں اس لئے کہ دونوں کی جڑیں ایک ہیں۔ان کا مقصد تو الگ الگ ہے،لیکن ان کی ہیئت اور خصوصیت ایک ہے۔"

(اسلام پر ہندستانی تہذیب کے اثرات۔ڈاکٹر تاراچند،ص174-175،آزاد کتاب گھر،کلاں محل،دہلی 1972۔)

مصوری اور نقاشی

فارسی زبان کسی بھی دیگر ترقی یافتہ زبان کی طرح اپنے اندر فنونِ لطیفہ کی تمام اقسام کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔مصوری اور نقاشی فارسی کلچر کا ایک اہم جزہے جس نے ہندستانی مصوری اور نقاشی پر بھی اثرات مرتب کیے اور اپنی خوبصورتی کا بھی لوہا منوایا۔لیکن ہندستان میں بھی مصوری کے نمونے موجود تھے۔ڈاکٹر تاراچند نے اس حوالے سے لکھا ہے کہ:

"ہندوستانی مصوری خواہ مغل ہو یا راجپوت اس کا بھی وہی حال ہے جو فنِ تعمیر کا ہے بلکہ اس میں تو فن تعمیر سے بھی زیادہ ایک ہی جمالیاتی اصول دونوں طرز کے فن میں کارفرما ہے۔اجنٹا کے اور دہلی یا جے پور کے طرز میں بڑا فرق ہے خطوط،رنگ اور تناسب ہر چیز بدلی ہوئی ہے،لیکن دہلی،جے پور یا کانگڑہ میں فرق بس اسی قدر ہے جیسے ایک ہی اسکول کے دو فنکاروں میں ہوتا ہے،اس سے زیادہ نہیں۔وسط ایشیا اور ایرانی آرٹ کا اثر نمایاں ہے لیکن ہندوستانی آرٹ خواہ وہ مغل بادشاہوں یا نوابوں کے درباروں کا ہو یا راجپوتانہ یا تنجور کے راجاؤں کے ہندو درباروں کا،محض غیر ملکی نمونوں کی اندھی نقالی نہیں ہے،اس کی خود اپنی انفرادیت ہے اور اس کو مسلم ہندو آرٹ ہی کہا جاسکتا ہے۔"

((اسلام پر ہندستانی تہذیب کے اثرات۔ڈاکٹر تاراچند،ص 175،آزاد کتاب گھر،کلاں محل،دہلی 1972۔)

موسیقی

ہندستان میں موسیقی کی طویل روایت موجود ہے۔لوک گیت یا عوامی سطح پر موجود رقص و سرود کے علاوہ ہر طرح کی تقریبات اور سماجی اور مذہبی اہتمامات کے مواقع پر موسیقی نے رنگینیاں بکھیری ہیں۔مذہبی اعتبار سے دیکھیں تو ہندستان میں بھجن اور آستھا کے گیت کی مضبوط روایت تھی،ان میں آلات موسیقی کا استعمال بہت کم تھا۔فارسی حکمرانوں کے دور میں اس میں خاطر خواہ ترقی ہوئی۔خاص طور پر امیر خسرو کے زمانے میں موسیقی نئی بلندیاں کو چھونے لگی اور اس میں بھی مشترکہ رنگ و نور نظر آنے لگا۔طبلہ،ستار،دف جیسے آلات کا استعمال اور بھجن کے دوش بدوش صوفیانہ قوالی کی ابتدا ہندستانی موسیقی میں ایک نیا او رانوکھا رنگ تھا۔قوالی ابتداً خالص فارسی زبان میں تھی جو صوفیا کے خانقاہوں میں مجلس سماع کے موقعے پر گائی جاتی تھی۔عہد

رواں میں بھی فارسی کلام قوالی کی شکل میں بھی پیش کیا جاتا ہے۔ مولانا عبدالرحمان جامی کا یہ کلام ہندستان کے بیشتر خانقاہوں میں آج بھی پڑھا جاتا ہے۔:

تنم فرسودہ جاں پارہ، زہجراں، یارسول اللہ

دِلم پژمردہ آوارہ، زِعصیاں، یارسول اللہ

(یارسول اللہ آپ کی جدائی میں میرا جسم بے کار اور جاں پارہ پارہ ہو گئی ہے۔ گناہوں کی وجہ سے دل نیم مردہ اور آورہ ہو گیا ہے)

چوں سوئے من گذر آری، منِ مسکین زِناداری

فدائے نقشِ نعلینت کنم جاں، یارسول اللہ

(یارسول اللہ اگر کبھی آپ میرے جانب قدم رنجہ فرمائیں تو میں غریب وناتواں۔ آپ کی جوتیوں کے نشان پر جان قربان کر دوں۔)

خسرو کے کلام کی دوسری مثال:

چشم مستے عجیبے زلف درازے عجیبے

مے پرستے عجیبے فتنہ طرازے عجیبے

(وہ محبوب) عجب مست چشم ہے، عجب دراز زلفوں والا، عجب مئے پرست، عجب فتنہ طراز ہے۔

بہر قتلم چوں کشد تیغ نہم سر بہ سجود

او بنازے عجیبے من بہ نیازے عجیبے

میرے قتل کے لئے جب وہ تلوار کھینچتا ہے تو میں سر بسجود ہو جاتا ہوں (یعنی قتل کے لئے تیار ہو جاتا ہوں)، وہ عجیب ناز والا ہے، میں عجیب نیاز والا ہوں۔

حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے کلام میں اسی سر مستی کو ملاحظہ کریں جس کی بازگشت ہندستانی خانقاہوں میں سنائی دیتی ہے:

نمی دانم کہ آخر چوں دم دیدار می رقصم

مگر نازم بہ آں ذوقے کہ پیش یار می رقصم

خوشا رندی کہ پامالش کنم صد پارسائی را

زہے تقویٰ کہ من باجبہ ودستار می رقصم

توآں قاتل کہ از بہر تماشا خونِ من ریزی

من آں بسمل کہ زیر خنجر خونخوار می رقصم

بیا جاناں تماشہ بیں کہ در انبوہ جاں بازاں

Tarjihaat
Volume:III ۲۰۲۳ مئی
Issué: V
ترجیحات
ISSN: 2583-0082

بصد سامان رسوائی سر بازار می رقصم
منم عثمان ہارونی کہ یار شیخ منصورم
ملامت می کند خلقے و من بر دار می رقصم

بہر کیف خانقاہوں کی محفل سماع میں فارسی کلام آج بھی قوالی کی شکل میں گایا جاتا ہے۔۔۔۔لیکن ایک اور دلچسپ پہلو کی طرف اشارہ کرتا چلوں کہ فارسی کے ساتھ ساتھ ہندوی زبان میں اور ریختہ (یعنی ہندوی اور فارسی کو ملا کر) میں خسرو نے عشق مجازی سے عشق حقیقی تک کے منزلوں کو نغمہ و سرود میں پیش کیا جو آج بھی اسی اشتیاق سے سنا جاتا ہے:

زحال مسکیں مکن تغافل دورائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں
شبانِ ہجراں دراز چوں زلف وروزِ وصلت چوں عمر کوتاہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں
یکایک از دل، دو چشم جادو بصد فریبم بہ برد تسکیں
کسے پڑی ہے جو جا سناوے پیارے پی کو ہماری بتیاں

ان حوالوں سے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ فارسی زبان و تہذیب کے ارتقا سے ہند ایرانی تہذیب وجود میں آتی ہے۔اس تہذیب کے اثرات دو طرفہ تھے۔۔۔خاص طور عشق و عرفان کے تصورات یا تصوف کے ضمن میں یہ اثرات بہت واضح نظر آتے ہیں۔لیکن اس رنگ میں ہندستانی رنگ کی آمیزش بھی کی گئی۔یہاں صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں کہ خسرو نے ہندستانی روایت کی پیروی کرتے ہوئے اپنے عشق و سرمستی کے اظہار کے لیے عورتوں کی زبان اور لب و لہجے کو اختیار کیا۔یہ خالصتاً ہندستانی روایت تھی۔۔۔۔عورتوں کے جذبات میں صداقت۔۔۔مثال:

خسرو باجی پریم کی میں کھیلوں پی کے سنگ — جیت گئی تو پیا مورے، ہاری پی کے سنگ
گوری سوئے سیج پہ مکھ پہ ڈارے کیس — چل خسرو گھر آپنے رین بھئی چو ہدیس

اور بھی کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔۔لیکن اب ان اثرات کی ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔تصوف اور بھگتی میں:

تصوف

گیارھویں صدی کی غزنوی فتوحات نے برصغیر پاک و ہند میں فارسی کو متعارف کرایا۔اور تیرھویں صدی میں دہلی میں فارسی ادب و ثقافت کا ایک بڑا مرکز بن گیا۔غوری سلاطین کے بعد دہلی سلطنت کے قیام کے ساتھ یکے بعد دیگرے خلجیوں اور تغلقوں نے زبان و ادب کی سرپرستی کی۔اسی عہد میں طوطیٔ ہند امیر خسرو نے ہندوی کے ساتھ فارسی میں تصوف و عرفان کے نغمے سے اسے ثروت مند بنایا۔اس حوالے سے کئی بڑے نام لیے جاسکتے ہیں جن میں خسرو، بیدل، غالب، اقبال جنھوں نے ہندستان میں فارسی شاعری کو نئی بلندیاں عطا کیں۔لیکن صرف یہی چند نام نہیں ہیں بلکہ پورا ایک سلسلہ ہے جو اب تک چلا آرہا

ہے۔ان کے شاعری میں جو رنگ و آہنگ ہے وہ بلاشبہ دونوں تہذیبوں کا حسین سنگم ہے۔۔۔۔۔ہندستان میں تصوف اور بھگتی کے مضامین فارسی کے اثرات سے لبریز ہیں۔خود ہندستانی صوفیوں نے فارسی کو ہی اپنی تصنیف و تالیف کا ذریعہ بنایا۔ان میں شیخ علی ہجویری، خواجہ معین الدین چشتی، نظام الدین اولیا، شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری، مخدوم جہاں جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین وغیر ھم تمام صوفیا نے فارسی زبان میں تصوف کے مضامین کو بیان کیا،ان کے ملفوظات بھی فارسی میں ہیں ۔۔۔(اردو زبان میں نقد شعر کی جو روایت ہے وہ عربی و فارسی فارسی کا تتبع ہے۔لیکن اردو کے تنقید کے ابتدائی نمونے یعنی تذکرے زبان فارسی ہی میں لکھے گئے)

تصوف یا اگر ہندی میں کہیں تو ادھیاتمک فکر کے تحت ہندستان میں بھی صوفیا اور ہندو سنتوں نے دنیا اور آخرت کو سمجھنے کی کوشش کی۔''ہندو اور مسلمان دونوں کا ذہن ایک ہی قسم کے مسئلوں سے دوچار تھا۔ہندو ویدانیتوں کی طرح مسلمان صوفی بھی انسانی زندگی کے راز کا حل تلاش کرنے میں لگے تھے۔اس عالم میں انسان کے ظہور کے کیا معنی ہیں؟اور پھر انسان کے دینوی اور آخرت کے حساب کا کیا مقصد ہے؟۔کیوں اس کا وجدان اخلاقی قوتوں کا میدان کارزار بنا ہوا ہے۔کیا اعمال ہیں جن سے اعلیٰ اور ادنی تقاضوں کی کشمکش پر قابو حاصل کیا جاسکتا ہے۔دائمی مسرت اور ابدی شادکامی کا سرچشمہ کہاں ہے؟''انسان اور اس کائنات کی تخلیق کا سبب کیا ہے؟۔۔۔۔ یا غالب کی زبان میں یوں کہیں:

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

یہی وہ سوال ہے جس کا جواب صدیوں سے ڈھونڈا جارہا ہے۔۔۔۔۔دھرم کے ذریعے ۔۔۔ درشن کے ذریعے ۔۔۔۔۔۔فلسفہ اور فکر کے ذریعے۔۔۔ہندستان میں بھی اس سوال کے جواب کو کئی طرح سے ڈھونڈنے کی کوشش ہوئی ہے ۔۔۔وید، اپنیشد، گیتا، پران، دھرم، بھگتی، تیاگ، تپسیا۔نروان، گیان، عبادت، ریاضت، کشف، عرفان اور عشق۔۔۔ ۔۔۔۔یہ وہی راستے ہیں جس کو ہم تصوف اور روحانیت کہتے ہیں۔۔۔۔۔اور اس راہ پر چلنے والے صوفی، سادھو، پیر فقیر ۔۔۔۔کہلاتے ہیں۔۔۔۔لیکن یہاں میں تصوف کے ان مسائل و مباحث کی طرف آپ کو نہیں لے جانا چاہتا۔لیکن اس راہ کے اُس اہم عنصر کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں جو بہت حد فارسی فکر و شعور کا بھی حصہ ہے۔۔۔۔عشق عشق اور عشق۔۔یہی وہ واحد راستہ ہے جو بندے کو خدا سے قریب کرتا ہے۔اب آپ حافظ شیرازی کو پڑھیں، مولانا جامی یا مولانا روم کو یا فارسی شاعری کے اس غالب رجحان کو اکثر فارسی شعرا کے یہاں پڑھیں۔۔۔عشق کو ہی اہمیت دی گئی ہے۔۔۔ہندستان میں بہت حد تیاگ اور تپسیا کے راستے نروان پراپت کرنے کی بات کی گئی ہیں لیکن ہند ایرانی، ہند اسلامی اثرات کے تحت اور بالخصوص فارسی اثرات نے عشق کو منزل اول قرار دیا۔

صوفی کے خیال میں یہ روحانی سفر ایک والہانہ عشق کی حیثیت رکھتا تھا جس کا راستہ کانٹوں کے جنگل سے ہو کر گزرتا ہے اور ایسے مقامات سے گزرتا ہے جہاں قدم قدم پر ٹھوکر لگنے کا اندیشہ ہے لیکن اگر ارادے میں تزلزل نہیں اور عزم صمیم ہے تو اسے طے کرنا اور اس منزلِ مقصود تک پہنچنا مشکل نہیں شمس تبریزی کی زبانی سنیں:

عقل گوید شش جهت حد است و بیرون راہ نیست
عشق گوید راہ ھست و رفتہ ام من بارہا

اقبال نے اسی خیال کو بہت سلیس انداز میں یوں کہا ہے:

عشق کے ایک جست نے کر دیا قصہ تمام
اس جہانِ رنگ و بو کے بیکراں سمجھا تھا میں

خسرو اسی خیال کو کہتے ہیں:

خسرو دریا پریم کا الٹی واں کا دھار
جو اترا سو ڈوب گیا، جو ڈوبا سو پار

اور کبیر کہتے ہیں:

جن ڈھونڈا تن پائیاں، گہرے پانی پیٹھ
میں بوری ڈھونڈن گئی، رہی کنارے بیٹھ

جامی:

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

کبیر:

جات نہ پوچھو سادھو کی، پوچھ لیجیو گیان
مول کرو تو وار کا، دھری رہن دیو میان

خسرو کی مشہور غزل میں اسی لے اور آہنگ کو دیکھیں۔

کافرِ عشقم مسلمانی مرا در کار نیست
ہر رگ تن تار گشتہ حاجت زنار نیست
خلق می گوید کہ خسرو بت پرستی می کند
آری آری می کنم با خلق عالم کار نیست

عطار خسرو سے بھی سبقت لے گئے ہیں:

مسلمانان من آن گبرم، کہ بت خانہ بنا کردم
شدم بر بامِ بت خانہ، دراین عالم ندا کردم
صلای کفرِ در دادم شمارا ای مسلمانان
کہ من آن کھنہ بتھارا، دگر بارہ جلا کردم

کبیر اسی خیال کے تسلسل کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

پاہن پوجے تو ہری ملے، تو میں پوجوں پہاڑ
تاتے یہ چاکی بھلی پیس کھائے سنسار

عطار کا یہ شعر دیکھیں:

گر سرِ عشق خواھی از کفر و دیں گذر کن
کانجا کہ عشق آمد، چہ جائ کفر و دین است

کبیر :

پریم نہ باڑی اُپجے، پریم نہ ہاٹ بکائے
راجا پرجا جو ہی رُچے، سیس دے ہی لے جائے

فارسی شاعری میں ریاکاری کو ہدف طنز بنایا گیا، زاہد و واعظ کو بھی نہیں بخشا۔ ان اثرات کو ہندستانی ادبیات میں واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ مثالیں ملاحظہ حافظ کہتے ہیں:

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند
چون بہ خلوت می روند آن کار دیگہ می کنند

اکبر:

خلاف شرع کبھی شیخ تھوکتے بھی نہیں
مگر اندھیرے اجالے میں چوکتے بھی نہیں

عطار کے ان اشعار کو سنیں:

دلِ عاشق خراب اندر خراب است
دلِ زاہد غرور اندر غرور است
دلِ زاھد ھمیشہ در خیال است
دلِ عاشق حضور اندر حضور است

علامہ اقبال

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

فیض دکنی:

کریں ہم کس کی پوجا، اور چڑھائیں کس کو چندن ہم
صنم ہم دیر، ہم بت خانہ، ہم بت، ہم برہمن ہم

حاتم:

کعبہ و دیر میں حاتم بخدا غیرِ خدا
کوئی کافر نہ کوئی ہم نے مسلماں دیکھا

آج کا انسان سب کچھ ہے مگر انسان نہیں ہے، انسانوں میں ختم ہوتی انسانیت اور ایک انسان کے چہرے پر لگے ہوئے کئی چہرے کو دیکھ کر بہت پہلے مولانا روم نے کہا تھا:

دی شیخ باچراغ ھمی گشت گرد شہر
کز دیو ودد ملولم وانسانم آرزوست

ندا فاضلی:

ہر آدمی میں ہوتے ہیں دس بیس آدمی
جس کو بھی دیکھنا ہو کئی بار دیکھنا

اسی آدمیت کے درس کو کبیر یوں بیان کرتے ہیں:

چکی نائیں دیکھتی گہیوں ہے یا گھن
وہ تو جانے پیسنا، ایک ہی اُس کا گن

مولانا رُومی:

وجودِ آدمی از عشق می رَسَد بہ کمال
گر ایں کمال نَداری، کمال نقصان است

ولی:

جسے عشق نئیں وہ بڑا کوڑ ہے
کید ھیں اس سے مل بیسیا جائے نا

مولانا روم کہتے ہیں:

دل بدست آور کہ حج اکبر ست

از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر ست

میر یہ کہتے ہیں:

دل وہ نگر نہیں کہ پھر آباد ہو سکے
پچتاوگے سنو ہو یہ بستی اجاڑ کے

یا رحیم کا یہ دوہہ

رحیمن دھاگہ پریم کامت توڑو چٹکائے
ٹوٹے پھر یہ نہ جڑے، جڑے گانٹھ پڑ جائے

فارسی شاعری میں عشق کی سرمستی کو جس والہانہ انداز میں پیش کیا گیا ہندستانی صوفیا نے اسے اسی طرح اپنایا۔ ہندستانی ادبیات میں عشق کا یہ رنگ فارسی کے ہی مرہون منت ہے۔ اب عشق مجازی کے رنگ کو بھی دیکھیں:

نسیمِ زلفِ اُو خجلت دہد صد نافہ ٔ چیں را
کنَد با غمزہ ٔ چشمش بغارت ملکِ دل و دیں را

ولی:

خوب رو خوب کام کرتے ہیں
یک نگہ میں غلام کرتے ہیں
ترے مکھ نے چھپایا ہے صنم ان چار اشیا کو
قمر کو، مشتری کو، شمس کو، خورشیدِ اعلا کو

میر

سارے رند اوباش جہاں کے تجھ سے سجود میں رہتے ہیں
بانکے ٹیڑھے ترچھے تیکھے سب کا تجھ کو امام کیا

سعدی:

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی
سگم خواندی و خشنودم جزاک اللہ کرم کردی

حافظ

اگر دشنام فرمائی و گر نفرین، دعا گویم
جواب تلخ می زیبد، لب لعل شکر خارا

غالب

کتنے شیریں ہیں ترے لب کہ رقیب
گالیاں کھاکے بے مزہ نہ ہوا

حافظ :

اَلا یا اَیُھاالسّاقی ! اَدِر کاَساً وَ ناوِلھا !
کہ عشق آسان نمود اول، ولی افتاد مشکل ھا
حضوری گر ھمی خواھی ازاو غایب مشو حافظ !
متٰی ماتلق من تھویٰ، دعِ الدنیا واھملھا

خسرو

زحالِ مسکین، مکن تغافل، دُرائے نیناں، بنائے بتیاں
کہ تابِ ہجراں، ندارم اے جاں، نہ لے ہو کاہے لگائے چھتیاں
شبانِ ہجراں، دراز چوں زلف، وروزِ وصلش، چو عمر کوتاہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں

احمد رضا

لم یَاتِ نَظیرُکَ فِی نَظَر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سوہے تجھ کو شہ دو سرا جانا
اَلبحرُ عَلاَ وَالموَجُ طغےٰ من بیکس و طوفاں ہوشربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیا پار لگا جانا

منظر نگاری قاآنی :

نسیم خلد می رود مگر زجو یبارھا
کہ بوی مشک می دھد ھوای مرغزارھا
فرازِ خاک و خشت ھا، دمیدہ سبز کشتھا
چہ کشتھا بھشتھا، نہ دہ، نہ صد ھزارھا
بھارھا بنفشھا شقیقھا شکوفھا
شماھا خجستہ ھاارا ک ھا عرارھا
زھر کرانہ مستھا پیالھا بہ دستھا
زمغزمی پرستھا نشاندہ می خمارھا

Tarjihaat
Volume:III ۲۰۲۳ مئی
Issue: V
ترجیحات
ISSN: 2583-0082

زریزش سحابھا بر آبھا حبابھا
چو جوی نقرہ آبھا روان در آبشارھا

اقبال

ہوا خیمہ زن کاروان بہار
ارم بن گیا دامن کوہسار
گل و نرگس و سوسن و نسترن
شہید ازل لالہ خونیں کفن
جہاں چھپ گیا پردۂ رنگ میں
لہو کی ہے گردش رگ سنگ میں
فضا نیلی نیلی ہوا میں سرور
ٹھہرتے نہیں آشیاں میں طیور
وہ جوئے کہستاں اچکتی ہوئی
اٹکتی لچکتی سرکتی ہوئی
اچھلتی پھسلتی سنبھلتی ہوئی
بڑے پیچ کھا کر نکلتی ہوئی
رکے جب تو سل چیر دیتی ہے یہ
پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہے یہ
ذرا دیکھ اے ساقی لالہ فام
سناتی ہے یہ زندگی کا پیام

تراجم:

کہا جاتا ہے کہ ترجمہ دو زبانوں اور تہذیبوں کے درمیان پُل کا کام کرتا ہے۔ ہندستان میں سنسکرت زبان میں مذہبی کتب کے علاوہ ادب عالیہ کی تخلیق ہوئی مگر اسے ہندستان سے باہر متعارف کرانے میں فارسی زبان نے اہم کردار ادا کیا۔ فارسی ایک بڑے خطے کی زبان تھی لہذا جیسے ہی سنسکرت کے تراجم فارسی زبان میں ہوئے تو ایک بڑے خطے تک اس کی رسائی ممکن ہو سکی۔ سنسکرت سے فارسی میں تراجم کی ایک طویل فہرست ہے 'مہابھارت' اور 'رامائن' بلکہ 'اتھروید' کا بھی فارسی میں ترجمہ ہوا۔۔۔۔اس حوالے سے یہاں میں دارا شکوہ کا ذکر کرنا چاہوں گا۔

داراشکوہ کی اہمیت اس لیے ہے کہ داراشکوہ مغلیہ تاریخ میں ایک ایسے شہزادے کا نام ہے جس نے تاج و تخت سے زیادہ ہندستان کی تہذیب و ثقافت کو سمجھنے کی کوشش کی۔اس کی فکر یہ تھی کہ ہندستان میں ہندو اور مسلمان اگرچہ دو مذاہب کے ماننے والے ہیں مگر ان دونوں مذاہب کی روح میں اتر کر دیکھیں تو بہت نزدیکیاں نظر آتی ہیں۔اتنی نزدیکی اتنی مماثلت کے باوجود دونوں قوموں کے بیچ اتنی دوریاں کیوں ہیں؟ مذہب کے نام پر اس قدر تعصب کیوں ہے؟ اسی فکر کو اس نے اپنی تصنیفات میں بیان کیا ہے۔۔۔اپنیشد کا ترجمہ • سرِّ اکبر/ اسرارالاسرار کے نام سے کیا اسی طرح • سفینۃالاولیا • مجمع البحرین/ سمدر سنگم • سکینۃ الاولیا • رسالہ حق نما • حسنات العارفین یہ وہ تصانیف ہیں جس نے دونوں تہذیبوں کو فکری اعتبار سے قریب لانے کی کوشش کی ۔۔۔فارسی میں تراجم کی ایک ایسی اہم روایت ہے کہ اس نے ہندستانی زبان و تہذب کو فروغ دیا۔ لہٰذا فارسی زبان و تہذیب کے اثرات کے بجائے یہاں احسانات نظر آتے ہیں۔

اردو زبان پر فارسی کے اثرات

تاریخی، تہذیبی اور لسانی اعتبار سے اردو اور فارسی ایک دوسرے سے کئی جہتوں سے قریب تر ہیں۔ان زبانوں میں لین دین کا ایک طویل سلسلہ رہا ہے جس نے تہذیبی روابط کو بھی مضبوط کیا اور ہندستان میں ایک نئ ابھرتی ہوئی بولی کو زبان کی شکل میں پروان چڑھایا۔اسی لیے ہند ایرانی تہذیب جیسی اصطلاح وجود میں آئی جو اس حقیقت کی غماز ہے کہ ہندستان کے تہذیبی عناصر میں ایران کی تہذیب کا نمایاں حصہ رہا ہے۔ سماجی و ثقافتی حوالوں سے ان کے اثرات ہندستان پر واضح طور پر موجود ہیں۔ ہماری روزمرہ زندگی ہو یا سماجی و تہذیبی تقریبات ہر جگہ ان نقوش کو دیکھا جا سکتا ہے۔شعر و ادب کی روایات کی بات کریں یا فرہنگ الفاظ یا ضرب الامثال و محاورات کی، یہ ایسا مربوط رشتہ ہے کہ کبھی جدا ہو ہی نہیں سکتا۔۔۔کچھ مثالیں اوپر آچکی ہیں ۔۔۔اس مختصر وقت میں مثالیں پیش کرنی مشکل ہے۔

زوال

مغلیہ حکومت کے زوال کے ساتھ فارسی زبان روبہ زوال ہوتا ہے۔اس کے بعد اگرچہ فارسی زبان کی حیثیت سرکاری نہیں رہی تاہم اس کے اثرات کو ختم کرنا ناممکن تھا۔ وجہ یہ ہے کہ
ہندستانی تہذب کی تشکیل و تعمیر میں اس نے اہم کردار ادا کیا ہے۔اس لیے جب تک ہندستانی تہذیب رہے گی فارسی کے اثرات اس وقت تک موجود رہیں گے۔

***